© rasailojaraid.com

مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ چار روز

مولانا محمد منظور نعمانی

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی اپنے استاد اور مربی حضرت شیخ الہندؒ کے خفیہ سیاسی مشن پر انھی کے حکم سے ۱۹۱۵ء میں یعنی پہلی جنگِ عظیم کے ابتدائی دور ہی میں کابل تشریف لے گئے تھے۔ پھر اس وقت کی حکومتِ ہند نے انھیں جلاوطن قرار دے دیا اور تقریباً ۲۵ سال وہ ہندوستان واپس نہیں آسکے۔ میں نے کبھی ان کو دیکھا نہیں تھا، لیکن اپنے اساتذہ سے ان کے بارے میں جو کچھ سنا تھا اس کی بنا پر ایک جلیل القدر عالم اور مجاہد کبیر کی حیثیت سے دل میں ان کی بڑی عظمت و وقعت اور زیارت کی بڑی تمنا تھی۔

۱۹۳۷ء میں جب انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ملک کے تمام صوبوں میں قومی حکومتیں قائم ہوئیں تو ہندوستان آنے کی اجازت ملی اور وہ غالباً ۱۹۳۹ء میں تشریف لائے۔ آتے ہی انھوں نے چند بیانات اخبارات میں دیے، جو ہم جیسوں کو ہضم نہیں ہوسکے اور ہم لوگوں نے محسوس کیا کہ مولانا بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ اسی زمانے میں صدر کی حیثیت سے جو خطبہ انھوں نے دیا اور اس میں جو رہنمائی کی خود جمعیت العلماء نے اس کے قبول کرنے سے اپنے کو مجبور سمجھا، اور جہاں تک مجھے یاد ہے اس کے بعد جمعیت کے کسی اجلاس میں مولانا نے صدارت نہیں فرمائی۔ ممدوح کی ان باتوں کی وجہ سے ان کی وہ علمی و دینی عظمت دل سے بالکل نکل گئی جو بیسیوں برس سے قائم تھی۔ بلکہ ایک طرح کا بُعد اور توحش سا پیدا ہوگیا۔ اور یہ حال تنہا میرا نہیں تھا۔ جہاں تک یاد ہے، ہمارے عام دینی حلقے کا بھی حال تھا۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو دارالعلوم دیوبند کے صدر اور جماعت دیوبند کے زعیم کی حیثیت سے ایک مفصل بیان شائع کرنا پڑا۔ جس میں مولانا سندھی کے مقام اور ان قربانیوں کا پورا اعتراف کرتے ہوئے ان کی ان باتوں سے اپنا عدم توافق ظاہر کیا گیا تھا۔ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بتایا گیا تھا کہ مولانا کی یہ ذہنی کیفیت اور یہ عدم توازن فلاں فلاں اسباب کی وجہ سے ہے۔

اسی زمانے میں اپنے ماہنامہ "الفرقان" کا، جو اس وقت بریلی سے نکلتا تھا "شاہ ولی اللہ نمبر" نکالنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی چوں کہ اپنے افکار و نظریات کے سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا نام بہت زیادہ استعمال فرماتے تھے اور اپنی فکر کا ماخذ انھی کے فلسفے کو بتاتے تھے، اس لیے میں نے ان سے مراد آباد کی ایک ملاقات میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مقالہ لکھنے کی درخواست کی، مولانا نے منظور فرما لیا، اور چند دنوں کے بعد پورے ۹۰ صفحے کا وہ مقالہ املا لکھوا کر بھیج دیا جو شاہ ولی اللہ نمبر میں اور اس کے بعد کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے اور جو بلاشبہ مولانا ممدوح کا شاہکار ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس مقالہ کو شاہ ولی اللہ نمبر میں پڑھ کر اسی زمانے میں لکھا تھا کہ اس مقالے نے ثابت کر دیا ہے کہ مولانا سندھی کی نظر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم پر کتنی گہری ہے اور حکمت الٰہی کی معرفت میں ان کا مقام کتنا بلند ہے۔

مولانا موصوف نے اپنے اس مقالے میں ان باتوں کو بالکل نہیں چھوا تھا جن کو وہ شاہ صاحب کا نام لے کر اور ان کے فلسفہ کا حوالہ دے کر نیشنل ازم اور نظریہ وطنیت کے سلسلے میں اس زمانے میں بیان کیا کرتے تھے جس سے ہم جیسوں کو سخت بُعد اور توحش ہوتا تھا۔

اس مقالے کے مطالعے کا اور اس سلسلے میں مولانا سے جو خط و کتابت کرنی پڑی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا کے بارے میں ذہن نے یہ اعتراف تو کر لیا کہ ان کا علم بہت عمیق ہے اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ وہ عوامی اور اخباری بیانات میں جدید طبقہ کو اپنی طرف کھینچنے اور قریب کرنے کی بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے الفاظ اور تعبیرات میں بہت آگے چلے جاتے ہیں، لیکن اس سلسلے کی ان باتوں و بیانات کی وجہ سے جو بُعد اور توحش دل میں پیدا ہو چکا تھا اس کا کافی حصہ باقی نہ رہا۔

۱۹۴۱ء میں راندیر ضلع سورت میں کے ایک دینی مدرسے کی دعوت پر اس کے جلسے میں میرا جانا ہوا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی بھی جلسے میں مدعو ہیں اور تھوڑی ہی دیر میں تشریف لانے والے ہیں۔ دو گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ مولانا تشریف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لے آئے۔ ہم دونوں کا انتظام ایک ہی بلڈنگ بلکہ ایک ہی کمرے میں تھا۔ جلسہ تو صرف ایک ہی دن کا تھا، لیکن راندیر کے علما اور عمائد سے، ہماری جماعت دیو بند اور اس کے اکابر کے جو دیرینہ تعلقات ہیں، ان کی وجہ سے کئی دن تک ہم دونوں کا وہاں قیام رہا۔ پہلی ہی رات کو یہ واقعہ پیش آیا کہ عشا سے کافی دیر بعد تک مقامی محبین و مخلصین کی مجلسیں اسی کمرہ میں لگی رہیں۔ ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد حضرت مولانا اپنے بستر پر لیٹ گئے اور یہ ناچیز اپنے بستر پر، ہم دونوں الگ الگ دو مسہریوں پر تھے۔ میں حسبِ عادت لیٹتے ہی سو گیا۔ آدھی رات کے بعد میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ مولانا بجائے مسہری کے اپنے مصلے میں لپٹے ہوئے نیچے فرش پر سو رہے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ شائد نوافل کے لیے سویرے اٹھ گئے تھے اور اس سے فارغ ہو کر وہیں لیٹ گئے ہیں، لیکن مولانا اخیر شب میں اٹھے اور نوافل وغیرہ میں فجر تک مشغول رہے۔ دوسری شب کو بھی بالکل ایسا ہی واقعہ پیش آیا، پھر تیسری رات کو بھی یہی ہوا کہ رات کی مجلس برخاست ہونے کے بعد ہم دنوں اپنی اپنی مسہریوں اور اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ کسی وجہ سے اس رات تھوڑی ہی دیر بعد میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ مولانا اسی طرح اپنے مصلے میں لپٹے ہوئے نیچے فرش پر سو رہے ہیں۔ چوں کہ کئی دن اور کئی رات ساتھ رہنے سے تھوڑی سی بے تکلفی ہو گئی تھی اور ان کی زندگی کے بعض پہلو سامنے آگئے تھے، جن کا ان کے بارے میں تصور بھی نہ تھا، اس لیے تیسری رات کے اس تجربے اور مشاہدے کے بعد صبح کو بعد فجر میں نے تنہائی میں مولانا سے دریافت کیا کہ آپ رات کو مسہری پر لیٹتے ہیں، لیکن ان تینوں راتوں میں جس وقت بھی میری آنکھ کھلی میں نے آپ کو نیچے فرش پر آرام فرماتے ہوئے دیکھا، یہ کیا بات ہے؟ مولانا نے پہلے تو مجھے ٹالنا چاہا، لیکن جب میں نے اصرار کیا تو بتا دیا کہ میں نے اپنی سیاسی زندگی کی بعض ایسی سنگین غلطیوں کی بنا پر جو یاد رکھنے کے لائق ہیں، اپنے اوپر کچھ ایسی پابندیاں عائد کر لی ہیں جو مجھے وہ غلطیاں یاد دلاتی رہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ انقلابیوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کی خود اپنے کو سزا دیں اور ان کو یاد رکھیں۔ ان ہی پابندیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں رات کو پلنگ پر نہیں سوتا۔ پھر میرے اصرار پر ان غلطیوں اور پابندیوں کی کچھ تفصیل بتائی۔ فرمایا کہ ایک زمانے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موزے پہننے کا میں اتنا سخت عادی تھا کہ مئی، جون میں بھی بغیر موزے کے مجھے تکلیف ہوتی تھی۔ لیکن جب مجھ سے مشن میں ایک غلطی ہوگئی تو میں نے موزہ پاؤں سے نکال دیا۔ پھر ایک اور غلطی مجھ سے ہوئی تو میں نے رات کو پلنگ پر سونا چھوڑا۔ یہاں شروع رات میں میں اس لیے پلنگ پر لیٹ جاتا ہوں کہ تمھیں پلنگ پر سونے میں تکلیف نہ ہو۔ جب میں اندازہ کرتا ہوں کہ تمھیں نیند آگئی تو میں اپنے معمول کے مطابق نیچے اتر کر سو جاتا ہوں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ ان غلطیوں کی تفصیل مولانا نے مجھے نہیں بتائی جن کی وجہ سے مولانا نے اپنے اوپر یہ پابندیاں عائد کرلی تھیں۔ ہاں تیسری غلطی مولانا نے صراحت کے ساتھ بتائی، وہ یہ کہ کابل میں قیام کے زمانہ میں جب افغانستان کا اقتدار امان اللہ خان کے ہاتھ میں تھا اور وہ میری مانتے تھے تو میں نے انگریزوں کے خلاف جنگ کے لیے ان پر اصرار کیا۔ ان کی ذاتی رائے نہیں تھی، میں نے ان پر اپنے اصرار کا پورا پورا زور ڈال کر انھیں مجبور کر دیا۔ آخر کار انھوں نے میری بات مان لی۔ جنگ ہوئی اور تینوں محاذوں پر ہوئی۔ ایک محاذ کی کمان جنرل نادر شاہ کے ہاتھ میں تھی، دوسرے محاذ پر ان کے ایک دوسرے بھائی کے ہاتھ میں اور تیسرے محاذ پر ان کے ایک چھوٹے بھائی ولی خان کمانڈر تھے۔ میں انھیں کے ساتھ اسی محاذ پر تھا۔ جنگ کا انجام یہ ہوا کہ جس محاذ پر جنرل نادر خان تھے اس پر انھوں نے انگریزی فوجوں کو شکست دی اور کافی نقصان پہنچایا۔ باقی دونوں محاذوں پر ہمیں شکست ہوئی۔ خاص کر جس محاذ پر جنرل ولی خان کے ساتھ میں تھا اس محاذ پر ہمارا بڑا نقصان ہوا اور جنگ کے مجموعی نتیجے میں افغانستان کو بہت نقصان پہنچ گیا اور میں نے اس سارے نقصان کا ذمہ دار اپنے کو قرار دیا، کیوں کہ میں نے اس جنگ کے لیے اصرار کیا تھا۔ اپنی اس غلطی کو یاد رکھنے کے لیے اس دن سے میں نے ٹوپی سر سے اتار دی۔ (مولانا ہر وقت سر برہنہ رہتے تھے۔ نماز بھی عام طور سے اسی طرح پڑھتے تھے۔ نعانی) یہ جنرل ولی خان جن کے ساتھ مولانا محاذِ جنگ پر موجود تھے، شاہ افغانستان ظاہر شاہ کے وہی چچا ہیں جو ابھی حال ہی میں دو تین ہفتے پہلے ہند کے دورے پر آئے تھے۔

جس دن مولانا نے یہ ... واقعہ بیان فرمائے اسی دن کی بات ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا نے مجھ سے فرمایا میں ہندوستان میں ایک کام کرنا چاہتا ہوں (مولانا کا مقصد سیاسی کام سے تھا)، کیا میرا ساتھ دوگے؟ میں نے صفائی سے عرض کیا۔ میں غالباً آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ مولانا نے مجھ سے وجہ دریافت نہیں فرمائی۔ میں نے خود عرض کیا کہ آپ بعض ایسی باتیں کرتے ہیں جو ہم جیسوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے اور ہم کسی طرح ان سے اتفاق نہیں کرسکتے۔ اس لیے میں آپ کے ساتھ چلنے کا وعدہ نہیں کرسکتا۔ مولانا اس پر کچھ نہیں بولے اور چند منٹ خاموش رہنے کے بعد فرمایا۔ میرا اندازہ ہے کہ تم چین سے نہیں بیٹھوگے، کچھ نہ کچھ کروگے۔ اس لیے میں تمھیں دو نصیحتیں کرتا ہوں، جو میری سیاسی زندگی کے تجربوں کا نچوڑ ہے۔

ایک یہ کہ کسی ایسی بات کو کبھی نہ راز سمجھو جو تمھارے سوا کسی بھی دوسرے کے علم میں آچکی ہو، اگرچہ وہ تمھارا کیسا ہی خاص الخاص دوست ہو۔ راز بس اس وقت تک راز ہے جب تک سینہ میں رہے۔ ہماری ناکامی کا بڑا سبب ہماری یہی غلطی تھی کہ ہم ان باتوں کو راز سمجھتے تھے جو ہمارے سینوں سے باہر نکل چکی تھیں۔ بالکل انفرادی کام راز نہیں ہوسکتا۔ اس لیے جو کچھ کرنا ہو، میدان میں آکر کرو اور اس کے نتیجے کے لیے پوری طرح تیار ہوکر کرو۔

دوسری نصیحت تمھیں یہ کرتا ہوں کہ کبھی اس بنیاد پر نہ سوچو کہ ہندوستان سے باہر فلاں فلاں ملکوں میں مسلمان بستے ہیں، وہ اسلامی رشتہ سے تمھاری کوئی مدد کرسکیں گے۔ مدد تو درکنار وہ تم پر اتنا بھی اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ تمھیں آزادی سے اپنی سرزمین پر رہنے کی اجازت دیں۔ تم اگر قرآن ہاتھ میں لے کر قسم کھا کر کہوگے کہ میں مسجد میں نماز پڑھوں گا اور بیٹھ کر اللہ کے بندوں کو قرآن کا درس دوں گا، تو وہ اس بارے میں بھی تم پر اعتماد نہیں کریں گے اور تم کو اس کی آزادی نہیں دیں گے۔

مولانا کی ان نصیحتوں کو راقم سطور کے دل نے ایسا قبول کیا کہ یہ دونوں باتیں عقیدہ سی بن گئی ہیں اور ۲۰ سال سے تجربہ ان کی برابر تصدیق و توثیق کررہا ہے۔

راندیر کے اس قیام کے آخری دن کا واقعہ ہے ایک صاحب۔ خیر کے یہاں دعوت ہوئی ہمارے ساتھ راندیر کے اکثر علماء و اہل علم بھی مدعو تھے۔ کھانے سے فارغ ہوگئے تو ان صاحب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف سے ایک بند لفافے میں مولانا کو کوئی ہدیہ پیش کیا گیا۔ مولانا نے اس کو قبول فرما کر جیب میں رکھ لیا۔ ایک صاحب جو یوپی کے کسی مدرسے کے غالباً سفیر تھے، وہ بھی کھانے میں شریک تھے۔ انھوں نے مولانا کے سامنے ان صاحب کی خاص طور سے ان کی جود و سخا کی تعریف شروع کی۔ مولانا نے نہایت برافروختہ ہو کر ان کو ڈانٹا اور فرمایا، تم ہم کو مشرک بنانا چاہتے ہو۔ ہم یہ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندہ کے ذریعے عطا فرما رہا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ہم ان بندوں کو معطی سمجھیں اور یہ بھی اپنے کو معطی سمجھنے لگیں۔

اس سفر میں میں نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خفیہ سیاسی تحریک کے بارے میں ہم نے مختلف لوگوں سے متضاد سی باتیں سنی ہیں۔ کسی مستند ذریعے سے اب تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ اگر آپ کے اصول اور مصالح کے خلاف نہ ہو تو اس کو میں آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا۔ اب تو بس وہ ایک تاریخ ہے، انشاء اللہ کسی موقعے پر تم کو بتاؤں گا۔ چناں چہ واپسی میں جب ہم سورت اسٹیشن سے ٹرین پر سوار ہوئے اور اطمینان کی تنہائی کا موقع ملا تو مولانا نے حضرت شیخ الہندؒ کی سیاسی تحریک اور اس سلسلے میں اپنے سفر کابل کے بارے میں مجھے تفصیل سے بتا دیا۔

----- ooo -----

قرآنی احکام اور جرائم کی سزائیں

○ ..... قرآن مجید میں جو تعزیراتی احکام ہیں، یا حدیث و سنت میں بعض انتظامی، معاشرتی اور معاشی امور کی جس طرح تعین اور تحدید کی گئی ہے وہ ابدی اور غیر متبدل نہیں، ان کی حیثیت عملی مثالوں کی ہے، کہ اس زمانے میں قرآن کی عمومی و ہمہ گیر ہدایت صرف انھی صورتوں میں متشکل ہو سکتی تھی اور وہ ہوئی۔ اب ہمارے لیے وہ قانونی نظائر ہیں، جنھیں سامنے رکھ کر ہم ہر دور میں قرآن و سنت کی ابدی و لازوال حکمت کی روشنی میں اپنے لیے نئے قانون بنا سکتے ہیں ....

(ص ۲۵-۱۲۴)

○ ..... اسلام کے احکام بھی، جن سے عبارت شریعت یعنی قوانین و ضوابط ہیں، جس شکل میں کہ وہ ایک زمانے میں تھے، اسی شکل میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ اور تو اور، شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں مولانا سندھی یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں بعض جرائم کی جو سزائیں مذکور ہیں ان کی حیثیت محض مثال کی ہے۔ اور لازمی نہیں کہ ہر زمانے میں ان کو اسی شکل میں نافذ کیا جائے

....

○ ..... اسلام کے عقائد و احکام کے بارے میں مولانا نے جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے، شاہ صاحب کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں۔

حجۃ اللہ البالغہ میں ایک "باب التیسیر" ہے جس میں مذہبی آسانیوں کا بیان ہے۔

(افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی، ص ۲۷۹)

© rasailojaraid.com